جرنل آف ریسرچ (اردو) شمارہ۔۳۲، دسمبر ۲۰۱۷ء

رحیم بخش وحشت ملتانی: شخص و شاعر (تعارفی مطالعہ)

ڈاکٹر ممتاز کلیانی*عمار یاسر**

Abstract

Rahim Bakhsh 'Wahshat Multani' was a prominent poet of twentieth century Multani tradition of classical Urdu Poetry. In spite of hardships in finding professional livelihood, he remained close observer of human aesthetic and enjoyed it with full zeal. He was not only a regular contributor to literary circle but was a founding member of so many such literary organizations. He was used to meditate and express in the genre of Ghazal and enjoyed friendship with the prominent poets of his time. His work remained unpublished for a long time and he lost a lot of his Ghazal due to his unsettled and unorganized pattern of life. He died in Nineteen Seventies. However his manuscripts are found recently. The paper explores the life, personality and critical worth of his poetry in an elaborated manner. It also examines some of the unique features of Wahshat Multani's Ghazal.

کسی خطے کی علمی وادبی شناخت ، پہچان اس خطے میں تخلیق ہونے والے اَدبی سرمائے سے ہوتی ہے۔ ملتان اور گردونواح کے ادبی سرمائے میں ایک اہم نام رحیم بخش وحشت ملتانی ہے۔ رحیم بخش وحشت کے علاوہ اَسد ملتانی، ارشد ملتانی، کشفی ملتانی اور دیگر شعراء نے بھی ملتان کی ادبی رونق بڑھانے اور اُردو ادب کو پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ انہی ادباء کی تخلیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج ملتان علمی وادبی لحاظ سے ملک کے دوسرے بڑے شہروں کے ہم پلہ ہے۔ جس دَور میں اِن حضرات نے اُردو شعر واَدب کو رونق بخشی وہ ۱۹۱۵ء سے شروع ہو کر دورِ حاضر تک محیط ہے۔

وحشت ملتانی کا اصل نام رحیم بخش تھا۔ ان کا تعلق ملن ہانس قبیلے سے تھا۔ حضرت خواجہ بخش ملتانی اور منشی

* پروفیسر شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

** شعبہ سرائیکی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

غلام حسن شہید کا تعلق بھی اِسی قبیلے سے تھا۔ وحشت ملتانی کے والد میاں غلام محمد انگریز دَور میں اپنے علاقے کے نمبر دار تھے، محلہ نتھ پورہ چوک شہیداں، ملتان میں رہائش رکھتے تھے۔ وحشت ملتانی ۱۸۹۷ء کو ملتان میں پیدا ہوئے،ان کے احباب ان کی ظاہری شکل و شباہت کے متعلق بتاتے ہیں:

"مہتابی گول چہرہ، قد لمبا، بڑا سر، چھوٹی چھوٹی مونچھیں، خلیق آدمی، خوش گفتار، بلند آواز، دھیمہ لہجہ، زبان میں لکنت تھی۔ جناح کیپ ٹیڑھی پہنتے تھے اور ذرا اُونچا سنتے تھے۔"(۱)

شعر و ادب کے مرکزی دھارے میں شامل شعرا کی شناخت اور نقش و نگار کی تابناکی میں فکری و فنی مقام کے علاوہ ناقابل بیان وجوہات ہوتی ہیں، جس کے باعث ہر کہ و مہ ان کے بارے میں کافی معلومات جمع رکھتے ہیں۔ جبکہ سماجی و معاشی لحاظ سے کم زور اہل قلم کی ذاتی زندگی کی بہت بنیادی معلومات بھی اکثر صورتوں میں پردۂ اخفا میں ہوتی ہیں۔ وحشتؔ ملتانی کو بھی موخر الذکر صورت کا سامنا تھا، تاہم ہمعصروں کی وساطت سے ان کی شخصیت اور بود و باش کا جو نقش سامنے آیا ہے وہ اس طرح ہے:

"صبح نماز کے بعد قہوہ بناتے، کپڑے دھوتے، پیوند لگے کپڑے بھی پہن لیا کرتے، سادہ مزاج انسان تھے، ہر کسی کے کام آتے، رشتہ داروں سے بڑے ادب اور پُر خلوص انداز سے ملتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد گھر والوں سے ادبی نشست ہوتی۔ گھر کے سامنے ایک مسجد ہے وہاں جا کر خود قرآن پاک پڑھنا سیکھا۔ پیشے کے اعتبار سے حجام تھے۔ جراح کا کام بھی کرتے تھے۔" (۲)

ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے گھر میں حاصل کی۔ فارسی اور اُردو میں اُس وقت کے رائج نصاب کے مطابق سعدی شیرازی کی گلستان، بوستان، دیوانِ حافظ، یوسف زلیخا، رباعیاتِ عمر خیام، خطوطِ غالب، اُردوئے معلی، دیوانِ غالب، دیوانِ ذوق، دیوانِ ظفر اور نواب مرزا داغ دہلوی کا کلام اور دیگر اساتذہ کی متعدد اُردو، فارسی تصانیف بڑی تفصیل سے پڑھیں۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ ۱۹۱۵ء سے باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا اور وحشتؔ تخلص کیا۔ وحشت ملتانی اپنی ذات میں انجمن تھے۔ بقول پروفیسر حسین سحر:

"پرانی وضع کے بزرگ شاعر تھے۔ ملتانی ثقافت کے علمبردار تھے۔ خلوص اور گرم جوشی سے ملتے تھے۔ مہمان نواز تھے۔" (۳)

چوک شہیداں میں اِن کی دُکان پر ہمیشہ شعراء جمع رہتے تھے۔ ملتان سے باہر رہنے والے شعرا کسی کام سے

ملتان آتے تو وحشتؔ کی دُکان پر ضرور آتے۔ اِن میں کشفی ملتانی، حاجی لق لق، عبدالحمید عدم، اُستاد دامن، ساغر صدیقی، حبیب جالب اور بابا عالم سیاہ پوش شامل ہیں۔بقول رضیہ سعید:

"ان کی دُکان اُجڑے پچڑے شاعروں کی آماجگاہ بنی رہتی تھی۔ جس کو کہیں ٹھکانہ نہ ملے وہ وحشت کدے میں آباد نظر آتا تھا۔" (۴)

اپنی دُکان پر ہر آنے والے کا نام اتنی بار پکارتے کہ ساتھ کے لوگ شک میں پڑ جاتے کہ دو کی جگہ چار لوگ آئے ہیں۔اس سے آنے والا خوش ہوتا اور ان کی بات شوق سے سنتا۔

ملتان میں شاعری اور مشاعرے کی روایت سے روشناس کرانے میں وحشتؔ کا کردار قابلِ ستائش ہے۔ اُنھوں نے دیگر شعرائے کرام کے تعاون سے اس وقت مشاعرے کی روایت قائم کی جب لوگ مشاعرے سے بہت زیادہ واقف نہیں تھے۔اس ضمن میں ''تاریخ ملتان'' کے مولف مولانا نور احمد خان فریدی نے لکھا ہے:

"آپ اور آپ کے دیگر ہم عصر شاعروں کے زمانہ میں ملتانی اُردو نے دہلی اور لاہور کا لب ولہجہ اور رنگ ڈھنگ اپنالیا تھا۔" (۵)

وحشتؔ ملتانی کا شمار ملتان کے اُن شعراء میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے ملتان میں ادبی انجمنوں کی بنیاد ڈالی۔ وحشتؔ فنِ شعر میں داغؔ سے بہت متاثر تھے اور خود کو داغؔ کا شاگرد بھی کہتے تھے۔اسی وابستگی کے تحت وحشتؔ ملتانی نے ''بزمِ داغ'' بھی سجائی، جس کے صدر وحشت خود، نائب صدر صبوحیؔ دہلوی اور جنرل سیکرٹری سجاد بریلوی تھے۔

"۱۹۲۶ء میں وحشت ملتانی نے مجلسِ ادب پنجاب قائم کی۔ عبداللہ نیاز، آذر ملتانی، کشفی ملتانی، اسد ملتانی اور عظیم الدین بسمل اس کے نمایاں رُکن تھے۔"(۶)

وحشتؔ ملتانی کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جنھیں تاریخ ملتان کا حصہ قرار دیا جاتا ہے۔اُن کے افکار تاریخ کی نشاندہی کریں یا نہ کریں البتہ ان کی شخصیت تاریخی ضرور ہے۔اپنی علمیت کے اعتبار سے وحشت ملتانی تاریخ دان نہیں تو متحرک تاریخ ضرور کہا جا سکتا ہے۔ وحشتؔ ملتانی بہت سادہ آدمی تھے۔ان کا شعری سرمایہ اُن کی دُکان سے چوری ہو گیا۔کچھ حضرات وحشتؔ سے ان کا کلام اشاعت کے بہانے لے جاتے اور اپنے نام سے شائع کروا دیتے۔

"حضرت وحشت ملتانی کا شعری سرمایہ ان کی عمر جتنا طویل نہیں تھا جتنا کہ ہونا چاہیے تھا یا اس سرمائے کی حفاظت ان سے نہ ہو سکی۔" (۷)

آخری عمر میں وحشتؔ ملتانی فالج جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ فالج کے باوجود ادبی محفلوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے۔خود لکھتے ہیں:

تو نے چھوڑا نہ کہیں کا مجھے اے فالج خانہ خراب
رہ گیا ہاتھ سے تیرا میرا ہر کام سے ہاتھ

۲ ستمبر ۱۹۷۸ء کو وحشتؔ ملتانی فالج سے ہار کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کی وفات سے ایک ادبی دَور کا خاتمہ ہو گیا۔ اُنھوں نے تریسٹھ برس تک اُردو زبان و ادب کی خدمت کی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی یاد میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ اس تقریب کی صدارت میاں محمود الحسن نقشبندی نے کی جبکہ مہمانِ خصوصی سجادہ نشین مخدوم سجاد حسین قریشی تھے۔ تقریب میں حسین سحر، منیر فاطمی اور دوسرے مقامی ادیبوں اور شاعروں نے وحشتؔ ملتان کی یاد میں اظہارِ خیال کیا اور شعرا نے منظوم خراجِ تحسین پیش کیا۔ بقول شاعر:

وحشت نہیں ہے ان کی جدائی کا روگ
چوک شہیداں آج بھی وحشت کا سوگ ہے

ملتان کی علمی و ادبی حیثیت مسلم ہے۔ ایک طویل عرصے سے ملتان علم و ادب کا گڑھ مانا جاتا ہے۔ ملتان کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ قدیم دَور میں یہ ہندوؤں کا مسکن رہا اسی لیے سنسکرت کے علمی مراکز یہاں موجود تھے۔ سنسکرت کے علاوہ فارسی، عربی اور اُردو زبان کی ترویج میں ملتان کا اہم کردار رہا ہے۔ اُردو زبان و ادب کی ابتداء سے اَب تک کی صورت تک پہنچانے میں ملتان کی خدمات قابلِ غور ہیں:

> "سماجی، ثقافتی، تہذیبی اور ادبی اعتبار سے ملتان کو خاصی اہمیت رہی ہے۔ خاص طور پر اُردو کی ابتداء اور ترویج و ترقی میں ملتان کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔" (۸)

ملتان کی سرزمین نے بہت سے شعراء کو جنم دیا۔ ان میں سے ایک رحیم بخش وحشتؔ ہیں، وہ ملتان کے پروردہ ہیں۔ ان کا کلام بھلے اعلیٰ معیار کا نہیں ہے لیکن مضامین میں حُسنِ ادا کی خوبی بہر طور موجود ہے۔ وحشتؔ ملتانی غزل گو شاعر ہیں۔ ان کی غزل کلاسیکی مزاج رکھتی ہے، اس میں کلاسیکل غزل کے تمام فنی و فکری لوازمات موجود ہیں۔ وحشت ملتانی کی شاعری میں دردمندی اور تصوف کی حقیقی تصویریں ملتی ہیں۔ خارجیت اور داخلیت کا بہترین امتزاج ملتا ہے۔ ان کی غزل میں پُر نشاط حُزن نظر آتا ہے جو قاری کو بیک وقت خوشی اور غم کے ذائقوں سے بہرہ ور کرتا ہے۔ یہ حُزن قنوطیت میں نہیں بدلتا بلکہ قناعت کی ترغیب دیتا ہے۔ شاعر کی حساسیت اُس کے قلب و نظر سے گوناگوں خراج طلب کرتی ہے۔ اس سے عہدہ برآ ہونے پر ہی مصرعۂ تر کی صورت نظر آتی ہے اور خونِ جگر سے سیرابی کے بعد ہی دل گداختگی ممکن ہوتی ہے۔ بقول غالبؔ:

حسنِ فروغِ شمعِ سُخن دور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

رحیم بخش وحشت کی شاعری میں گداختگی اور سوز بدرجۂ اتم موجود ہے۔ان کی حساسیت محض اپنے غم اور تکالیف کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے دُکھوں کو اپنادرد کہنے پر مائل ہے۔یہ دردمندی ان کی شاعری میں میرؔ کا سا رنگ نمایاں کرتی ہے۔مثلاً:

وحشت خدا کا نام لے نالے کو ضبط کر
تنگ آگئے ہیں اب تیری آہِ سحر سے لوگ

غزل کی مقبولیت اور پسندیدگی کی ایک وجہ معاملہ بندی بھی ہے۔معاملہ بندی سے مراد عشق و محبت کے وہ تجربات ہیں جو زندگی کی لذات کو دوچند کرتے ہیں:

بدل جاتے ہو کیونکر راہ گزر تم دیدہ دانستہ
چُرا لیتے ہو اَب ہم سے نظر تم دیدہ دانستہ

---O---

مت پوچھیے عالم میرے اَب حُسنِ نظر کا
ہر در پہ ہے دھوکا مجھے تو آپ کے دَر کا

---O---

زندگی بھر تو رہے مجھ سے خفا تم لیکن
نزع کے وقت نہ اَب مجھ سے خفا ہو جانا

---O---

تیری قسم ہے تجھ کو تو ایسا نہ کرائے دوست
مجھ کو زمانے بھر کا تماشا نہ کرائے دوست

غزل کلاسیکی ہو یا جدید اس کا موضوع "عشق" ہی رہا ہے۔اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ کوئی اور موضوع غزل کے پیرائے میں نہیں سما سکتا۔تلازماتِ عشق کے لبادے میں بیان کیے گئے موضوعات کی تاثیر گہری ہوتی

ہے۔ وحشتؔ ملتانی کے ہاں جو عشق ملتا ہے وہ مزاجاً کلاسیکی عشق جیسا ہے لیکن اس کے تقاضے جدید عشق سے مماثلت رکھتے ہیں۔ ان کی غزلیات میں ہجر کا مضمون کلاسیکی انداز رکھنے کے باوجود جدّت کا رنگ نمایاں کرتا ہے۔

تم تھے میرے دل میں تو یہی رشکِ ارم تھا
اَب خاک سی اُڑتی ہے میرے دل کے نگر میں

---O---

نظریں چُرا کے مجھ سے گزرتے ہیں ان دِنوں
ہر اِک روش پر اُن کا میرا سامنا رہا

---O---

بڑی مدت کے بعد ان کے لبوں پر میرا نام آیا
خدا کا شکر ہے اَب نالۂ بے ربط کام آیا

---O---

مجھے اس نے شاید یاد کیا ، جی ڈوب گیا ، دل بیٹھ گیا
پھر آج جگر میں دَرد اُٹھا ، جی ڈوب گیا دِل بیٹھ گیا

---O---

اِک بے وفا سے ہم کو وفا کا گلہ رہا
سمجھے تھے جس کو دوست ستم آشنا رہا

---O---

اِس انتظار میں کہ وہ آئیں گے ایک دِن
میں ان کی راہ آٹھ پہر دیکھتا رہا

وحشتؔ ملتانی کی غزل پر کلاسیکیت کا رنگ گہرا ہے ان کے بعض اشعار میرؔ کے انداز میں کہے گئے لگتے ہیں۔

مثلاً:

بہت ڈھونڈا کیے وحشتؔ کو ہم بھی
پتہ ملتا نہیں کہیں شوریدہ سر کا

---O---

جانے کیوں درپئے آزار ہوا ہے وحشتؔ
عمر بھر نشترِ غم کو رگِ جاں تک دیکھا

---O---

فرقتِ دوست میں وحشتؔ یہ کوئی اشک ہے اَب
ایک شعلہ سا نظر آتا ہے مژگاں کے قریب

---O---

وحشتؔ خدا کا نام لے نالے کو ضبط کر
تنگ آگئے ہیں اَب تیری آہِ سحر سے لوگ

وحشتؔ ملتانی کی شاعری کی ایک انفرادیت رندانہ موضوع پر ان کے اشعار ہیں۔ شراب، ساقی، پیرِ مغاں، جام اور رند جیسے الفاظ روایتی مفہوم سے الگ نئے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں اور یہ نئے معنی تصوف اور عشقِ حقیقی کی سرمستی کا خوبصورت اظہار یہ ہیں۔

صبحِ وطن سے مقدس ہے شامِ مے خانہ
ہے بامِ عرش سے وابستہ بامِ مے خانہ

مکمل غزل اِسی موضوع پر ہے۔

محبوب کی سراپا نگاری کا بیان شعرا کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ کلاسیکی شعراء نے سراپا نگاری کو بہت اہمیت دی، جدید غزل گو شعراء نے محبوب کے مقابلے میں معاشرتی و سماجی مسائل کو اولیت دی۔ تاہم بہت کم ہوا کہ کوئی اُردو غزل محبوب اور ذکرِ محبوب سے خالی رہے۔ وحشتؔ ملتانی کی غزل میں جو اشعار سراپا نگاری کی ذیل میں ملتے ہیں ان میں بہت زیادہ ندرت نہیں ہے چند ایک مثالیں ایسی ضرور ملتی ہیں جن میں سراپا نگاری کا ایک خاص اور منفرد انداز نظر آتا ہے۔

ہے خیالِ مہ رخاں جو بعد مردن بھی ہمیں
رہتی ہے اکثر سرِ گورِ غریباں چاندنی

---O---

پڑا ہے جہاں جہاں ان کا عکسِ قامت، ہے اس سے حسنِ ازل نمایاں
جدھر جدھر سے گزر گئے وہ، ملے ہیں ان کے سراغ روشن

---O---

حُسنِ ازل ہے پردۂ حُسنِ مجاز میں
ڈھالا گیا ہے نور کے سانچے میں ہر بدن

وحشتؔ کی غزل کا محبوب "انسان" ہے۔اس میں جنس کی تخصیص نہیں ہے۔ان کے ہاں نسوانی سراپے کے بیان کے ساتھ امرد پرستی کے اشارے بھی ملتے ہیں:

تمہارا خطِ عارض آگیا اے جانِ من آخر
گہن میں آئے گا یہ روئے تاباں، ہم نہ کہتے تھے

وحشتؔ کا محبوب کوئی ماورائی مخلوق نہیں ہے بلکہ اُنھوں نے جس طرح کے معاملاتِ عشق کا تذکرہ کیا ہے وہ زمینی عشق سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کی غزل میں محبوب سے جفا کا گلہ بھی ملتا ہے، محبوب کی بے رُخی، عاشق کی حد درجہ وارفتگی، رقیب سے حسد، واسوخت، محبوب سے مکالمہ اور عشق کے تمام معاملات نہایت سچے ملتے ہیں۔ واسوخت محبوب سے گلہ شکوہ کے بیان پر مبنی ایک اندازِ سخن کا نام ہے اور یہ انداز وحشتؔ ملتانی کی غزل میں بھی نمایاں ہے۔اس حوالے سے وحشتؔ کے ہاں صیاد، صید، قید، قفس جیسے استعاراتی الفاظ کی کثرت نظر آتی ہے۔

پھر اُسی نے وعدۂ فردا کیا
جس نے پہلے بارہا دھوکا کیا

---O---

اک عمر قفس میں ہی رکھ کر پھر نوچ کے اس نے میرے پر
اَب ایسے میں آزاد کیا جی ڈوب گیا دل بیٹھ گیا

---O---

رِہا کیا مجھے صیاد نے قفس سے تو کب

اُجڑ گیا تھا چمن موسمِ بہار نہ تھا

---O---

وہ بگڑ جاتے ہیں ہر بات پہ اکثر مجھ سے

جب کرتے ہیں شروع کرتے ہیں دُشنام سے بات

---O---

تجھ کو وحشتؔ ہے اگر دُنیا میں ایمان عزیز

نہ ملانا کبھی اس بتِ گلفام سے ہاتھ

وقت کے ساتھ انسانی جبلت کے تقاضے بدلے تو غزل کے موضوعات بھی بدلے، اگر کوئی موضوع سدابہار رہا تو وہ عشق کے علاوہ "فطرت" کا بیان ہے۔ مناظرِ فطرت کائنات کا حُسن ہیں اسی طرح اَدب کے اظہاریہ میں بھی مناظرِ فطرت تلازمۂ حسن کا درجہ رکھتے ہیں۔ فطرت کو محبوب کے رویوں سے ہم آہنگ کرنے کا رواج شروع سے شاعری میں موجود تھا قدیم شعری روایت اور وحشتؔ ملتانی میں فرق اتنا ہے کہ قدیم روایت میں فصلِ بہار یا فصلِ گل کی خوشی کے ساتھ ساتھ خزاں رسیدہ پتے بھی بکھرے ہوئے ملتے ہیں جبکہ وحشتؔ کی غزل میں موسمِ بہار اور آتشِ گل کے علاوہ کسی اور موسم کا گزر نہیں ہوا، یہاں تک کہ داغِ جگر کو رشکِ بہاراں قرار دیتے ہیں:

ہو جو منظور تمھیں سیرِ گلستاں کبھی آکر دیکھو

ہو گئے داغِ جگر رشکِ بہاراں کبھی آکر دیکھو

---O---

بہار ہے کہ یہ ہے اَب کے آتشِ نمرود

سلگتا آتشِ گل سے ہے گلستاں لوگو

---O---

جوششِ فصلِ بہاراں کا بُرا ہو ہم صفیر

آتشِ گل اب ہمارے آشیاں تک آگئی

---O---

دامن وجیب تار تار ہو ہی چکے بہار میں
تو بھی گئی اے آستیں آج نہیں تو کل سہی

ناقدریِ فن کا گلہ ہر شاعر کرتا ہے۔ وحشتؔ ملتانی کے ہاں بھی زمانے کی ناقدری پر دُکھ اور تاسف نظر آتا ہے اور اس کا اظہار نہایت صاف اور واضح ملتا ہے۔ دراصل وحشتؔ صاحبِ ثروت نہیں تھے اور ایک معمولی دُکاندار تھے۔ اس لیے بھی وہ لوگوں کی نظر میں زیادہ بارسوخ نہیں تھے۔ اُن کے بارے میں ان کے معاصرین نے کچھ لکھا ہے نہ ان سے بعد آنے والوں نے۔ اِس ناقدری پر وحشتؔ کی شاعری اس طرح اظہار کرتی ہے:

جنس میں کہ نہیں قدرِ سخن حضرتِ وحشتؔ
کیا فائدہ اس دَور کے اظہارِ ہنر میں

---O---

وحشتؔ نہ ہو جہاں میں کوئی قدرِ سخن مگر
کیونکر اے دوست ایسے میں عرضِ ہنر کروں

---O---

وحشتؔ اَب اس زمانے میں قدرِ سخن کہاں
اَب کیا کریں اس دور میں عرضِ ہنر اے دوست

---O---

وحشتؔ اَب اس زمانے میں قدرِ سخن کہاں
دیتا ہے کوئی دادِ سخن آزما کے دیکھو

---O---

چلو اے وحشتؔ چلیں کہیں اب کہ ہے یہ ملتان سِفلہ پرور
یہ ہم کہ اہلِ سخن ہیں جانا ہے ہم کو اپنے وطن میں کس نے

ناقدریٔ عالم کے مضمون پر مبنی اشعار میں مایوسی کا رنگ جھلکتا ہے۔ یہ مایوسی دائمی نہیں ہے بلکہ ہمت و استقلال اس نااُمیدی پر غالب آتی ہے۔ ہمت اور بہادری وحشت کی شاعری کی اہم فکری جہت ہے۔ وہ قاری کو مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا درس بھی دیتے ہیں۔ مشکلات کو اُمید میں بدلنا جانتے ہیں۔

بن کے رہے گی عرشِ بریں آج نہیں تو کل سہی
کوچہ دوست کی سر زمیں آج نہیں تو کل سہی
بدل ہی دوں گا دیکھنا آہِ جگر گداز سے
تیری یہی نہیں نہیں آج نہیں تو کل سہی

لفظوں سے تصویر بنانے کا عمل پیکر تراشی کہلاتا ہے۔ وحشت ملتانی کی غزلیات پیکر تراشی کے عمدہ نمونے پیش کرتی ہیں۔ وہ تخیل کی مدد سے چیزوں، خیالات، جذبات، احساسات، ذہنی کیفیات اور انفرادی تجربات کی تصویریں بڑی عمدگی سے بناتے ہیں۔ ان کے کلام میں دلآویز، پیکر تراشی کی جو شکلیں ملتی ہیں وہ بصری سمعی لحاظ سے قابل ستائش ہیں:

کہیں حشر پیدا نہ کر دے تمہاری
یہ پازیب کی ایک جھنکار پہلے

---O---

یقین اَب ہو گیا ہے اس گُماں کا
کہ تم نے چاند کی چلمن سے جھانکا

---O---

میں بھی اس کو رات سے دیکھا کیا
کوئی مجھ کو چاند سے جھانکا کیا

---O---

عشق کو جب دار پر کھینچا مگر
حُسن تھا کہ دُور سے دیکھا کیا

---O---

کس نے اٹھا دی دیکھنا چلمن
آگ لگی ہے گلشن گلشن

---O---

ہر شاخِ گل ہی دُلہن بن کر بہار میں اَب
دیکھے ہے اپنا جلوہ شبنم کی آرسی میں

فکری حوالے سے وحشتؔ ملتانی کا کلام منفرد مقام کا حامل ہے۔ وحشتؔ ملتانی کی شاعری فنی لحاظ سے بہت پختہ ہے۔ان کی شاعری کا سب سے بڑا وصف موسیقیت ہے۔ان کی غزلیات میں موجود ترنم ان کے اشعار میں جذب و مستی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جس علاقے کے رہائشی تھے وہاں فنِ موسیقی اور خاص کر لے کاری کے دو بڑے خاندان نقارچی اور تکیہ بھیدی پوترہ آباد تھے۔ وحشتؔ کا زمانہ ان خاندانوں کے عروج کا زمانہ تھا۔اسی زمانے میں وحشتؔ کے ان موسیقاروں کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم ہوئے جن کا وحشتؔ کی شاعری پر بھی گہرا اثر ہوا۔اِس ضمن میں ان کے کلام میں دو غزلیات موسیقیت اور تغزل کی بہترین مثال ہیں:

کس دیس میں ہے تو رشکِ قمر ، میرا چین گیا میری نیند گئی
اِک بار تو پھر آجا تو نظر ، میرا چین گیا میری نیند گئی
میرا چین بھی لوٹ کے آ جاتا ، میری نیند بھی لوٹ کے آجاتی
میرے پہلو میں تو آجاتا اگر ، میرا حُسن گیا میری نیند گئی

یہ پوری غزل تغزل سے معمور ہے۔دوسری غزل کے چند اشعار دیکھئے:

مجھے اس نے شاید یاد کیا ، جی ڈوب گیا دِل بیٹھ گیا
پھر آج جگر میں درد اُٹھا ، جی ڈوب گیا دِل بیٹھ گیا
اَب کوئی بھی مانوس نہ ہو دِل دے کے اسے مایوس نہ ہو
دِل آنے کی ہے اَب یہ سزا جی ڈوب گیا دِل بیٹھا گیا

وحشتؔ ملتانی کی شاعری میں صنائع بدائع کا بھی خاص التزام موجود ہے۔ صنعتِ تلمیح کا استعمال ان کی غزل کا

خاصہ ہے وحشتؔ نے اس صنعت سے اپنے اشعار مزین کیے ہیں۔ اگرچہ ان کی استعمال کردہ تلمیحات روایتی اور جانی پہچانی سی ہیں تاہم وہ ان تلمیحات کو اپنے خاص رنگ میں استعمال کرتے ہیں:

ہوا تھا دامنِ یوسف شکارِ دستِ ہوس
مگر تم اہلِ چمن اپنے پیراہن کی بات کرو

---O---

دارا و جمشید و اسکندر گئے وحشتؔ کہاں
خضر سے پوچھے کوئی رازِ درازِ زندگی

---O---

رُسوا نہ اَب ہو عصمتِ مریم کہیں یہاں
اَب خیر سے کہ حضرتِ مریم نہیں ہے آج

---O---

موسیٰ ہی تھے بے خود ہو کر
بھولے منظرِ وادیء ایمن

---O---

وہ برق وَش نور بار رہتا ہے رات دِن اب ہمارے گھر پر
کلیم اِک دن ادھر بھی آتے ہیں طورِ سینا ہمارے گھر میں

---O---

اَب اَنلحق کی صدا آتی نہیں برسوں ہوئے
پھر کسی کے منتظر دار و رسن برسوں سے ہیں

---O---

بہار ہے کہ یہ ہے اَب آتشِ نمرود

سلگتا آتشِ گل سے ہے گلستاں لوگو

---O---

موسیٰ نہیں کہ طور پر غش کھا کے گر پڑوں
جانِ جہاں تو مجھ کو تو جلوہ دِکھا کے دیکھ

---O---

تجھے کیا خبر ہے اے خوابِ زُلیخا
کہ یوسف کے ہم تھے خریدار پہلے

تلمیح کے علاوہ صنعتِ تضاد کا بھی بہت استعمال کیا گیا ہے۔ صنعتِ تضاد کلام میں بلاغت کا ذریعہ بنتی ہے۔ معنی کی ضدنہ صرف کلام میں حسن پیدا کرتی ہے بلکہ کلام کی اثر پذیری میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ وحشتؔ ملتانی کی شاعری میں صنعتِ تضاد کی کافی مثالیں ملتی ہیں:

محبت میں وحشتؔ نہ تم غلماؤ
کہ ہے شاخِ گل پر مگر خار پہلے

ملتان کی شعری روایت کے بیشتر شعراء کی تخلیقات میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اعلیٰ پائے کی شاعری کے ساتھ منسوب ہیں۔ یہ شاعر بلاشبہ قابلِ تحسین ہیں۔ اِن شعراء کے علاوہ ملتان کی شعری روایت میں ایسے شاعروں کا بھی ایک بڑا حصہ ہے جن کی تخلیقات اعلیٰ پائے کی نہیں ہیں، یہ شاعر دوسری صف کے شاعر قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ وحشتؔ ملتانی کا شمار ملتان کی شعری روایت میں دوسری صف سے تعلق رکھنے والے شاعروں میں ہوتا ہے۔ وحشتؔ ملتانی کی غزل فنی اور فکری پختگی کے باوجود وہ تاثر قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی جس کے اندر 'علویت' کا عنصر موجود ہوتا ہے جو ایک وسیع حلقے میں اپنا اثر ورسوخ بنانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ وحشتؔ کی شاعری کے مضامین روایتی ہیں۔ اُنھوں نے ان موضوعات پر روایتی انداز میں لکھا اور ان میں کوئی خاص ندرت اور انفرادیت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور نہ ہی کسی خاص موضوع کے ساتھ خود کو وابستہ کر سکے۔ ان کے اشعار میں لفاظی زیادہ اور آفاقی تجربہ کم نظر آتا ہے۔ اسی لیے ان کے اشعار میں وہ خلوص اور گرماہٹ نہیں پائی جاتی جو ایک شاعر کا مقام و مرتبہ بلند کرتی ہے۔

وحشت کا ذوقِ شعر گوئی دیکھتے ہوئے یہ رائے قائم ہوتی ہے کہ ملتان کی اُردو شعری روایت میں وحشتؔ کا

مقام ان شعراء سے کم نہیں جنھوں نے ملتان میں رہ کر دِلی کے اُستاد شعرا داغؔ، بے خودؔ، سائلؔ، حیدر دہلوی کے انداز کو اپنایا۔ ملتان میں قیامِ پاکستان سے پہلے دہلوی طرز پر اُردو غزل کی روایت کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اس روایت کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھا اور ادبی ذوق کی آبیاری میں نئی نسل کی رہنمائی کی۔

حوالہ جات

۱۔ انٹرویو، سعید اختر، مورخہ ۱۲ر ستمبر ۲۰۱۴ء، بروز جمعہ (وحشت ملتانی کا داماد)

۲۔ ایضاً

۳۔ انٹرویو، پروفیسر حسین سحر، مورخہ ۱۴ر اکتوبر ۲۰۱۴ء، بروز اتوار (معروف ادیب و معلم)

۴۔ انٹرویو، رضیہ سعید، مورخہ ۱۱ر اکتوبر ۲۰۱۴ء، بروز ہفتہ (وحشت ملتانی کی بیٹی)

۵۔ رضیہ سعید، 'علامہ وحشت ملتانی داغ کی روایت کے شاعر'، روزنامہ خبریں، ملتان، ۲۷ر مئی ۲۰۰۳ء، ص ۱۵

۶۔ مختار ظفر، ڈاکٹر، 'ملتان کی شعری روایت'، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، جنوری ۲۰۱۴ء، ص ۴۲

۷۔ منیر فاطمی، 'وحشت ملتانی مرحوم'، روزنامہ امروز، ۱۶ر دسمبر ۱۹۸۲ء

۸۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، 'ملتان میں اُردو شاعری'، سنگِ میل پبلی کیشنز، چوک اُردو بازار لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۱۲